رسول اللہ ﷺ کا طرزِ مفاہمت: صلح حدیبیہ کے تناظر میں ایک مطالعہ

APPEASEMENT STYLE OF THE PROPHET (PBUH): A STUDY BASED ON THE TREATY OF HUDABIYAH

نیک پروین*

ABSTRACT

The Prophet Muhammad (peace be upon him) is well known for his advocacy of reconciliation and peaceful conflict resolution. Throughout his life, he has demonstrated a strong commitment to promote reconciliation between people and communities, even in the face of significant challenges and conflicts.

One of the most significant examples of the Prophet's commitment to reconciliation is the treaty of Hudaybiyyah, which was signed in 628 CE between the Prophet and the Meccan leaders. The treaty, which was widely criticized by some of the Prophet's followers, provided a framework for peaceful coexistence and conflict resolution between the two sides. This paper highlights his teachings that continue to inspire and guide Muslims around the world in their efforts to build peaceful and inclusive societies.

KEYWORDS: Islam, peace, pact, compromise, forgiveness, agreement

تعارف

مفاہمت ایک ایسا رویہ ہے جو باہمی درگزر اور تعاون پر مبنی ہو۔ اردو لغت کے مطابق مُفاہَمَت کے معنی ہیں "باہم کسی معاملے پر سمجھوتا" [1] مصالحت و موافقت اس کے مترادف الفاظ ہیں۔ مفاہمتی عمل سے مراد ہے ایسا عمل جو سمجھوتے، تعاون اور باہمی درگزر پر مبنی ہو۔ یہ انسانی زندگی کا ایسا پہلو ہے جس کے بغیر بقاء حیات اور استحکام ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ: ادفع بالتی ھی احسن [2] برائی کا بدلہ نیکی سے دو۔ ایسا کرنے سے وہ دشمن دوست بن جائے گا اور جو ایسا کرتا ہے وہ بڑی ہمت کا کام کرتا ہے۔ [3]

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کو سرزمین عرب سے ایک خاص نسبت رہی ہے۔ مکہ میں آپ ﷺ مبعوث ہوئے اور حیات مبارکہ کا ایک اہم حصہ مدینہ میں گزارا۔ لہٰذا اسلام کو بالعموم جن لوگوں کے اختلافات کا سامنا کرنا پڑا انہیں

* ایم فل ریسرچ اسکالر، شعبہ قرآن وسنہ، جامعہ کراچی، کراچی naik.perveen0334@gmail.com

تین گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان میں مشرکین مکہ، منافقین اور مدینہ کے یہود شامل ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے اختلافات اور دشمنی کا مقابلہ کرنے کے لیے ہتھیاروں کے بجائے صبر و برداشت کے ذریعہ دانشمندی کے ساتھ تمام معاملات طے کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب۔[4] بہادری کشتی میں ایک دوسرے کو پچھاڑنے کا نام نہیں بلکہ طاقتور اور بہادر تو وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

رسول اللہ ﷺ سے بغض وعداوت

نبی اکرم ﷺ نے مکہ میں بطور محمد بن عبد اللہ اپنی زندگی کے چالیس سال بہت عمدگی سے گزارے۔ اسی دوران آپ ﷺ کو صادق و امین کا لقب بھی ملتا ہے اور لوگ اپنی امنتیں بھی آپ ﷺ کے پاس بلاخوف و خطر رکھوا جایا کرتے لیکن جیسے ہی نبی اکرم ﷺ نے اپنا تعارف محمد بن عبد اللہ کے ساتھ ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر کروایا تو یہ حضرات آپ کے درپے ہوگئے۔ جب آپ ﷺ پر حکم الٰہی نازل ہوا کہ قم فانذر[5] نازل ہوا تو آپ ﷺ نے اسلام کی تبلیغ شروع کردی۔ پھر مشرکین کا جو درعمل سامنے آیا اسے مستشرق بورڈلے نے اس طرح رقم کیا ہے: فاران کی چوٹی پر توحید کا بیان سن کر ابولہب مشتعل ہوا، آپ ﷺ کو بات کرنے سے نہ صرف روکا بلکہ پتھروں کی بارش کردی اور آپ ﷺ کے خلاف عدم برداشت و ایذارسانیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ راستے میں کانٹے بچھادیے جاتے[6] کعبہ میں عبادت سے روکنا اور عبادت کرتے ہوئے گلے میں اوجھڑی ڈالنا۔ اس حوالے سے کوسٹان نے لکھا ہے کہ یہ سزائے موت کے طریقوں میں سے ایک طریقہ تھا۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں پر تشدد اور ان کا قتل[7] معمولی بات تھی، حتی کہ مسلمانوں کو دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ آپ ﷺ اہل مکہ کو چھوڑ کر طائف تبلیغ کرنے گئے تو اوباش نوجوانوں کے ذریعے ٹھٹے لگوا کر پتھراؤ کروا کر لہولہان کر کے طائف سے باہر نکال دیا گیا۔[8] جب کچھ بس نہ چلا تو شعب ابی طالب میں محصور کر کے مکمل سوشل بائیکاٹ کیا گیا۔[9] بالآخر نبی کریم ﷺ مکہ سے مدینہ ہجرت پر مجبور ہوگئے۔ لیکن مشرکین مکہ یہ بھی برداشت کرنے پر تیار نہ ہوئے، مسلمانوں پر فوجی وجارحانہ حملے جاری رکھے، دھوکے سے مسلمانوں کو قتل کرواتے رہے۔[10] جو معاہدہ کرتے اسی کی خلاف ورزی کرتے۔ یہ صورتحال فتح مکہ تک جاری رہی اور مشرکین کے یہ تمام حربے لاحاصل رہے۔

جب تک مسلمان مکہ میں تھے منافقین کا وجود نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ کی مدینہ آمد کے بعد یہ طبقہ وجود میں آیا۔ اس کا بانی عبد اللہ بن ابی تھا۔ اہل مدینہ اسے اپنا سردار بنانے کی تیاری کر چکے تھے، تاج و تخت تیار تھا، بس بیٹھنے والے کا

انتظار تھا، اسی اثنا میں آپ ﷺ مدینہ تشریف لاتے ہیں اور اہل مدینہ اس تخت پر ابی کی جگہ آپ ﷺ کو بٹھا دیتے ہیں۔ ابی سے یہ برداشت نہیں ہوتا اور وہ مع اپنے چیلوں کے بظاہر اسلام قبول کر کے باطن سازشوں میں مصروف ہو جاتا ہے۔ غزوہ بنی مصطلق ۵ ھ کی فتح کے بعد اپنی قوم کو کہتا ہے مدینہ پہنچتے ہی معززین (اہل مدینہ) (نعوذ باللہ) ذلیلوں (مسلمانوں) کو نکال باہر کریں۔[11] اس سے مسلمانوں کی فتح برداشت نہیں ہوتی۔ غزوہ احد کے اہم ترین موقع پر اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر واپس چلا جاتا ہے۔[12] تاکہ مسلمان شکست کھا جائیں۔ یہود کے قبیلہ بنو نضیر کو شہ دی کہ تم حملہ کرو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔[13] غزوہ خندق کے موقع پر مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا۔[14] مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے مسجد ضرار بنائی۔[15] رومیوں کے خلاف جنگ کے موقع پر مسلمانوں کو بھڑکایا لا تنفروا فی الحر[16] کہ بہت گرمی ہے جنگ میں حصہ نہ لو۔ قرآن پاک میں اسکا جواب اس طرح دیا گیا قل نار جھنم اشد حرا[17] کہ کہہ دو جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ تم اس کی تیاری کرو۔ غرض منافقین نے نہ تو میثاق مدینہ کا پاس رکھا نہ کسی اور اخلاقی ضابطہ کا لحاظ رکھا۔ وہ اپنی ساری توانائی اسی میں صرف کرتے رہے کہ کس طرح مسلمانوں کو نیست و نابود کیا جائے۔ اس حوالے سے چوہدری افضل اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: جنگ کی آزمائشوں میں کامیابی سے گزرنا آسان ہے، دولت دنیا کو دین پر قربان کرنا سہل ہے۔ مگر منافقوں سے نباہ کرنا اور ان کی ہزار شر انگیزیوں کے باوجود ایک دفعہ بھی تعرض نہ کرنا آپ ﷺ کا ہی حوصلہ ہے۔[18]

منافقین کے علاوہ مدینہ میں یہودیوں سے بھی سامنا تھا۔ یہود اہل کتاب ہونے کی وجہ سے خدا کی ذات اور نبوت سے بخوبی آگاہ تھے نہ صرف یہ بلکہ وہ خود لوگوں کو آخری نبی کی خبر دیتے تھے، پھر جب آخری نبی کا ظہور ہو گیا تو مختلف اعتراضات پیش کر کے ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ جیسے کہ مسلمانوں نے بیت المقدس کی جگہ کعبہ کو اپنا قبلہ بنالیا۔[19] بنی قینقاع کے واقعہ کے بعد یہودی مسلمانوں کو اپنے لیے خطرہ سمجھنے لگے تھے۔ اس لیے مشرکین مکہ سے ساز باز کر رہے تھے۔ کعب بن اشرف یہودی کو سازش کرنے کے سبب قتل کر دیا گیا تھا۔ یہودی قبیلے بنو نضیر کا مدینے سے انخلاء کرنا پڑا۔[20] یہود اسلام کے خلاف مسلسل سازشوں میں لگے رہتے تھے اور دیگر طبقوں کو بھی آمادہ جنگ کرتے ان کی عداوت تہذیب سے عاری ہو چکی تھی۔ خدمتِ نبوی ﷺ میں آتے تو السلام علیکم کی جگہ السام علیکم (تم پر ہلاکت ہو) کہتے راعنا کی جگہ راعینا (ہمارے چرواہے) کہتے۔[21]

اسلام اور اہل اسلام سے مفاہمت تو در کنار سر زمین عرب پر بسنے والے ان تینوں گروہوں (مشرکین، منافقین اور یہود) نے اسلام کی مخالفت میں رسول اللہ ﷺ کو صادق و امین جانتے ہوئے بھی طرح طرح سے اذیتیں پہنچائیں،

آپ ﷺ کے خلاف سازشیں تیار کی گئیں اور آپ ﷺ کے جانثار ساتھیوں کو بھی اپنے مظالم کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ **عدم مفاہمت پر اسلام کی تعلیمات**

عدم مفاہمت پر اسلامی تعلیمات کی نظیر اسلام سے پہلے کہیں نہیں پائی جاتی۔ یہاں مفاہمت کی وہ بلند پایہ تربیت تھی جو رسول اللہ ﷺ کی دربارِ خداوندی سے کی گئی اور اس کی گونج کائنات کے ہر ہر گوشہ میں سنائی دے گی۔ سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپ ﷺ کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔[22] سورۃ الاحزاب میں فرمایا، اے پیغمبر ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اچھے لوگوں کو خوشخبری نافرمانوں کو ہوشیار کرنے والا، اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے والا اور ساری دنیا کو روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔[23] سورۃ نحل میں فرمایا: اللہ سب کے ساتھ عدل و احسان اور اچھے سلوک کا حکم دیتا ہے۔[24] سورۃ البقرہ میں واضح کر دیا کہ: دین کے بارے میں کسی پر جبر نہیں ۔[25] دین کو کسی پر مسلط نہیں کیا، سورۃ کہف میں یہ اختیار دے دیا گیا کہ جو چاہے ایمان لائے، جو چاہے کفر اختیار کرے۔[26] ایسی بہت سی آیات ہیں جن میں اسلام کا مفاہمتی پیغام اور درس نظر آتا ہے۔ فرانسیسی مستشرق M. Sedillet اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو لوگ اسلام کو وحشیانہ مذہب کہتے ہیں ان کے ضمیر کے تاریک ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ وہ ان صریح آیات کو نہیں دیکھتے جن کے اثر سے عربوں کی وہ تمام بری خصلتیں مٹ گئیں، جو مدت دراز سے سارے ملک میں رائج تھیں۔ انتقام لینا، خاندانی عداوت کو جاری رکھنا، کینہ پروری اور دختر کشی وغیرہ جیسی مذموم رسومات کو قرآن نے مٹا دیا۔[27]

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے رب نے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے والعدل فی الرضا والغضب[28] رضا اور غضب دونوں حالتوں میں انصاف کروں۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں جبریل علیہ السلام نے بیان کیا، یا محمد ان اللہ یامرک ان تصل من قطعک و تعطی من حرمک و تعفو عن ظلمک۔[29] اے محمد ﷺ، اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ جو آپ ﷺ سے قطع رحمی کرے اس سے آپ ﷺ صلہ رحمی کریں۔ جو آپ ﷺ کو محروم رکھے اس کو آپ ﷺ عطا کریں اور جو آپ ﷺ پر ظلم کرے اس سے آپ ﷺ عفو و درگزر کریں۔

رسول اللہ ﷺ کا طرز مفاہمت

نبی اکرم ﷺ کی مفاہمتی پالیسی کسی خاص فرد یا طبقہ کے لیے نہیں تھی بلکہ ہر اس شخص کے لیے تھی جو خیر کا خواہاں ہو۔ پھر جب حکم الٰہی نازل ہوا فاصدع ما تؤمر[30] تمہیں جو کچھ حکم دیا گیا ہے اسے کھول کر سناؤ۔ تو آپ ﷺ کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے ایک ایک قبیلے کا نام لے لے کر بلانا شروع کیا۔[31] اس میں نہ تو امیر غریب کا لحاظ رکھا گیا

اور نہ قبائلی حسب و نسب کی بناء پر کسی قبیلے کو دعوت دی تو کسی کو اس سے محروم رکھا۔ اس کے برعکس جو بھی اس دعوت پر لبیک کہتا جاتا وہ انما المؤمنون اخوۃ[32] کے مصداق اسلامی برادری میں شامل ہوتا جاتا تھا۔

پھر جب آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے اور وہاں اسلام کی دعوت دی تو طائف کے مغرور و متکبر سرداروں نے دعوتِ اسلام کو ہی رد نہ کیا بلکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں بھی گستاخی کی۔ انہوں نے شہر کے اوباش لڑکوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا جو آپ ﷺ کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کرتے اور آپ ﷺ پر پتھر برساتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا جسم زخموں سے لہولہان ہو گیا اور جوتا خون سے بھر گیا۔[33] ایسے حالات میں جہاں کوئی بات سننے پر بھی تیار نہ ہو وہاں باہم مفاہمت کیسے ممکن ہو سکتی تھی۔ تب ایک فرشتہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر آپ ﷺ حکم دیں تو میں پہاڑ اٹھا کر اہل طائف پر ڈال دوں، یہ سب فنا ہو جائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں، ہرگز نہیں، مجھے امید ہے کہ اگر یہ لوگ اسلام نہ لائے تو ان کی اولاد ضرور خادمِ اسلام بنے گی اور آئندہ نسلیں سب مسلمان ہوں گی۔ میں ان کی ہلاکت کو پسند نہیں کرتا۔[34]

دوسری طرف قریش نے مجلس مشاورت منعقد کی جس میں فیصلہ کیا کہ ابوطالب سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ محمد ﷺ کو ہمارے حوالے کر دیں۔ اگر وہ انکار کریں تو جب تک محمد ﷺ کو ہمارے حوالے نہ کر دیں تب تک بنو ہاشم اور بنی عبد المطلب سے شادی بیاہ، میل ملاقات، سلام و پیام سب ترک کر دیا جائے۔ کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت نہ کی جائے اور کھانے پینے کی کوئی چیز ان کے پاس نہ پہنچنے دی جائے۔ یہ دستخط شدہ معاہدہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا اور مقاطعہ شروع ہو گیا۔ نبی ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے۔[35] اس حالت میں تین برس گزر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس معاہدے کے خاتمے کا انتظام اس طرح فرمایا کہ سوائے اللہ کے نام کے دیمک تمام معاہدے کو چاٹ گئی اور نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ شعب ابی طالب سے باہر تشریف لا سکے۔[36] یہی کم ظرف قریش جب فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ سے مفاہمت چاہتے ہیں تو آپ ﷺ ان کے تمام مظالم اور شر انگیزیوں کو پس پشت ڈال کر فرماتے ہیں، لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء[37] آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ میں جو بھی مفاہمتی پالیسی اور حکمت عملی وضع کی وہ نہ صرف اُس دور کے لیے بلکہ رہتی دنیا تک کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ہجرت مدینہ کے بعد مسلمان کفار کے مظالم سے تو بچ گئے تھے لیکن یہاں یہودیوں کی سازشیں انہیں کسی بھی خطرے سے دوچار کر سکتی تھیں۔ ادھر مشرکین مکہ کو یہ غم تھا کہ مسلمان مدینہ میں چین و سکون سے کیوں رہیں اس لیے وہ مسلمانوں کے خلاف جنگی تیاریاں کر رہے تھے۔ نبی ﷺ نے ان تمام

اندرونی و بیرونی خطرات کا جائزہ لیتے ہوئے اہل مدینہ سے ایک معاہدہ طے فرمایا۔ یہ میثاق مدینہ یہودیوں کے ساتھ مفاہمت ورواداری کی ایک تاریخی دستاویز تھی۔ اس کی چند اہم شرائط درج ذیل ہیں:

بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم ہیں۔ معاہد اقوام کے باہمی تعلقات، خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کے ہوں گے ضرر اور گناہ کے نہ ہوں گے۔ جنگ کے دنوں میں یہودی مسلمانوں کے ساتھ مصارف میں شامل رہیں گے۔ یہودیوں کی دوست قوموں کے حقوق یہودیوں کے برابر سمجھے جائیں گے۔ کوئی شخص اپنے معاہد کے ساتھ مخالفانہ کاروائی نہیں کرے گا۔ مظلوم کی مدد کی جائے گی۔ باہمی اختلاف کی صورت میں آپ ﷺ کو حکم سمجھا جائے گا۔[38]

صلح حدیبیہ اور مفاہمتی عمل:

مکہ مکرمہ سے ہجرت کئے مسلمانوں کا مدینہ منورہ میں چھٹا سال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں عمرہ کی بشارت ملی، آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ احرام میں ملبوس عمرہ کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کے پاس سوائے مسافرانہ ہتھیار یعنی میان کے اندر بند تلواروں کے کسی بھی قسم کا کوئی ہتھیار نہیں لیا تھا وہ بغیر کسی جنگی ساز وسامان کے مکہ مکرمہ کی طرف رواں دواں تھے۔ دریں اثنا آپ ﷺ کو قریش کی مخالفت کی اطلاع ملی کہ وہ آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ آپ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا اور حضرت عثمان غنیؓ کو قریش مکہ کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ قریش کو یہ واضح کر دیں کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب صرف عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں ان کا مقصد کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہے اور نہ ہی وہ ہتھیاروں سے لیس ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ مکہ مکرمہ پہنچے اور واپسی میں ذرا تاخیر ہوگئی تو یہ افواہ پھیل گئی کہ انہیں شہید کر دیا گیا ہے۔ 'حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر مسلمانوں پر آسمانی بجلی بن کر گری، نبی کریم ﷺ صدمے سے نڈھال تھے، آپ ﷺ نے طبل جنگ بجاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم عثمانؓ کا بدلہ لیے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھ موجود چودہ سو صحابہ کرامؓ سے قصاص عثمانؓ پر بیعت لی۔ سب سے پہلے بیعت کرنے والے صحابی حضرت ابوسنانؓ تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی خبر سے صحابہ کرامؓ انتہائی غم وغصے میں مبتلا تھے۔ بعض صحابہ کرامؓ نے کئی بار بیعت کی اور حرمت عثمانؓ کے لیے جان قربان کرنے کا عزم مصمم ظاہر کیا۔ جیسے کہ حضرت سلمہ بن اکوعؓ نے تین مرتبہ بیعت کی۔ ایک شروع میں، ایک درمیان میں اور پھر آخر میں۔ جب تمام صحابہ کرامؓ بیعت کر چکے تو آپ ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ پر رکھا اور ارشاد فرمایا کہ یہ بیعت عثمانؓ کی جانب سے ہے، اور یہ بات حضرت عثمانؓ کے لیے بڑے اعزاز کی بات ہے۔'[39] اس بیعت کے دوران آپ ﷺ ایک

درخت کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ اس بیعت کو بیعت رضوان کا نام دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس درخت اور بیعت کا ذکر اس طرح کیا ہے: "بیشک اللہ ایمان والوں سے راضی ہوا جب وہ درخت کے نیچے تمہاری بیعت کر رہے تھے۔"[40] اس دوران حضرت عثمان غنیؓ بھی بخیر وعافیت واپس لوٹ آئے اور اُن کے پیچھے ہی قریش مکہ نے اپنے نمائندے سہل بن عمرو کو مصالحت کے لیے روانہ کیا۔ آخر دونوں طرف کے بہت بحث ومباحثے کے بعد صلح کا عہد وپیمان ہوا۔ حدیبیہ کے مقام پر ہونے والی اس صلح کو صلح حدیبیہ کا نام دیا گیا۔

آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلوایا کہ وہ اس معاہدے کو ضبطِ تحریر میں لے آئیں۔ آپ ﷺ نے یہ معاہدہ املا کرواتے ہوئے فرمایا، بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اسے لکھنے پر سہیل بن عمرو نے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ ہم نہیں جانتے رحمٰن کیا ہے؟ آپ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ (اے اللہ تیرے نام سے) لکھوایئے۔ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ یہی لکھ دو۔ اس کے بعد آپ نے املا کرواتے ہوئے فرمایا، 'یہ وہ بات ہے جس پر محمد رسول اللہ نے مصالحت کی۔' اس پر بھی سہیل نے اعتراض کیا اور کہا کہ اگر ہم جانتے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہم نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے، اور نہ جنگ کرتے۔ اس لیے آپ ﷺ محمد بن عبد اللہ لکھوایئے۔ اس کے اعتراض پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم لوگ جھٹلاؤ۔ آپ ﷺ نے یہاں بھی مفاہمتی طرز عمل اختیار کرتے ہوئے، حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ محمد بن عبد اللہ ہی لکھ دیں اور لفظ "رسول اللہ" مٹا دیں، لیکن حضرت علیؓ نہیں چاہتے تھے کہ وہ اس لفظ کو مٹائیں۔ لہٰذا، خود نبی ﷺ نے اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دیا۔ اس کے بعد باقی تمام دستاویز رقم کر دی گئی۔

اس معاہدے کی کچھ اہم شرائط یہ تھیں کہ ۱- مسلمان اس سال عمرہ نہیں کریں گے آئندہ سال آکر عمرہ کریں گے۔ مکہ میں داخل ہوتے وقت سوائے تلوار کے کوئی ہتھیار ان کے پاس نہ ہوگا، تلوار بھی نیام کے اندر ہوگی اور تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں گے۔ ۲- صلح کی میعاد دس سال ہوگی۔ اس عرصہ میں کوئی فریق دوسرے فریق کے جان ومال سے قطعاً معترض نہ ہوگا۔ باہم امن وامان کے ساتھ رہیں گے۔ ۳- عرب کی ہر ایک قوم اور ہر ایک قبیلہ کو اختیار ہوگا کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں ہم عہد ہو جائیں۔ ان ہم عہد قبائل پر بھی اس صلح نامہ کی شرائط اسی طرح نافذ ہوں گی۔ دونوں فریق قبائل کو اپنا ہم عہد اور حلیف بنانے میں آزاد ہوں گے۔ ۴- اگر قریش میں سے کوئی شخص بلا اجازت اپنے ولی کے مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا تو قریش کی طرف واپس کیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس آجائے گا تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔[41]

جب یہ صلح نامہ لکھا جارہا تھا اسی دوران ایک اور دلخراش واقعہ پیش آیا۔ سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل اپنی بیڑیاں گھسیٹتے وہاں آپہنچے۔ وہ زیریں مکہ سے نکل کر آئے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں اپنے ساتھ مدینہ لے جائیں۔ سہیل بن عمرو نے رسول اللہ ﷺ سے کہا یہ پہلا شخص ہے جس کے متعلق میں آپ سے معاملہ کرتا ہوں کہ آپ اسے واپس کردیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا، ابھی تو ہم نے نوشتہ مکمل نہیں کیا۔ سہیل نے کہا، تب میں آپ سے کسی بات پر صلح کا کوئی معاملہ ہی نہ کروں گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اچھا تو تم اس کو میری خاطر چھوڑ دو۔ اس نے کہا: میں آپ کی خاطر بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں نہیں اتنا تو کر ہی دو۔ اس نے کہا نہیں میں نہیں کر سکتا۔ پھر سہیل نے ابو جندل کے چہرے پر تھپڑ مارا اور مشرکین کی طرف واپس کرنے کے لیے ان کے کرتے کا گلا پکڑ کر گھسیٹا۔ ابو جندل زور زور سے چیخ کر کہنے لگے، مسلمانو! کیا میں مشرکین کی طرف واپس کیا جاؤں گا کہ وہ مجھے میرے دین کے متعلق فتنے میں ڈالیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو جندل! صبر کرو۔ اور اسے باعثِ ثواب سمجھو۔ اللہ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ جو دوسرے کمزور مسلمان ہیں ان سب کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔ ہم نے قریش سے صلح کر لی ہے۔ اور ہم نے ان کو اور انہوں نے ہم کو اس پر اللہ کا عہد دے رکھا ہے۔ اس لیے ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔ اور معاہدۂ صلح نافذ ہو گیا۔[42]

صلح نامہ طے پا گیا تو اب عمرے کے لیے بیت اللہ کی روانگی ملتوی کر دی گئی اور مدینہ کی طرف واپس لوٹنا تھا لیکن صحابہ کرامؓ احرام میں ملبوس ہیں اور ساتھ میں قربانی کے لیے لائے گئے جانور بھی ہیں۔ اس تمام منظر نامے کو دیکھیے کہ مدینہ سے نکلتے ہوئے صحابہ کرامؓ خوش تھے کہ انہیں بیت اللہ میں داخل ہونے کی سعادت مل رہی ہے جس سے وہ گذشتہ چھ سال سے محروم تھے۔ لیکن اچانک راستے میں انہیں روک دیا جاتا ہے۔ وہ حق پر ہوتے ہوئے بھی بہت سی ایسی شرائط کو قبول کرنے پر مجبور ہیں جو انہیں سراسر ناانصافی اور ظلم پر مبنی دکھائی دے رہی ہیں۔ پھر ابو جندلؓ کو جس حال میں قریشِ مکہ کے حوالے کیا گیا وہ سب کے لیے نہایت تکلیف دہ عمل تھا۔ صحابہ کرامؓ غم و غصّہ کی کیفیت میں مبتلا ہیں۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ان کے جانوروں کو ذبح کرنے، سر منڈوانے اور حالت احرام سے باہر آنے کا حکم دیا۔ لیکن صحابہ کرامؓ کی اس وقت جو حالت تھی، ان کی طرف سے کوئی ردِ عمل سامنے نہ آیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ مگر پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔ آپ ﷺ اپنے خیمے میں تشریف لے گئے، اور ام المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کے استفسار پر صحابہ کرامؓ کے اس طرزِ عمل کا ذکر کیا۔ حضرت ام سلمہؓ نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ اگر آپ ﷺ ایسا چاہتے ہیں تو پھر آپ ﷺ تشریف لے جائیے اور اپنا جانور ذبح کر دیجیے۔ اور اپنے حجام کو بلا کر سر منڈوا لیجیے۔ آپ ﷺ نے اس بات سے

اتفاق کیا اور باہر تشریف لے گئے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا ہدی کا جانور ذبح کر دیا اور حجام بلوا کر سر منڈوالیا۔ جب صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کرتے دیکھا تو انہوں نے بھی اٹھ کر اپنے اپنے جانور ذبح کر دیے۔ اور اس کے بعد باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔[43]

دراصل اس صلح کے ذریعے مسلمانوں کو کچھ عرصے بعد ہی سہی لیکن بغیر خون خرابے کے عمرہ ادا کرنے کی اجازت مل رہی تھی۔ اس لیے نبی ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تشویش پر انہیں راضی کر لیا اور خون خرابے کے بجائے مفاہمت کو ترجیح دی۔ اگرچہ نبی ﷺ کا کوئی مفاہمتی عمل اتنا زیادہ دقت طلب نہیں تھا جتنا کہ صلح حدیبیہ، کیونکہ اکثر صحابہ کرامؓ کے لیے اس کی بعض شرائط قبول کرنا بہت ہی مشکل تھیں۔ اس بارے میں عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں: "اس فائدے کو نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ سمجھ گئے حضرت عمرؓ اس فائدے کو پہلے نہیں سمجھ سکے اس لیے بہت غصہ ہوئے لیکن آخر سمجھ گئے۔"[44] قریش مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ہونے والے اس مفاہمتی عمل سے اہل اسلام کو عظیم فوائد حاصل ہوئے اور قرآن پاک میں اس صلح کو فتح مبین قرار دیا گیا۔[45] پھر تاریخ نے دیکھا کہ فتح مکہ کے موقع پر یہی قریش مکہ جنہوں نے آپ ﷺ اور ان کے ساتھیوںؓ پر ظلم کے پہاڑ توڑ رکھے تھے، اب نبی ﷺ سے بھلائی کی امید لیے کھڑے کہہ رہے تھے کہ 'ہم آپ (ﷺ) سے بھلائی کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ ہمارے بزرگ بھائی اور بزرگ بھائی کے بیٹے ہیں۔'[46] مفاہمت کا معاملہ ہو اور آپ ﷺ پیچھے رہ جائیں ایسا تو حیاتِ مبارکہ ﷺ میں کبھی ہوا ہی نہیں تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء[47] آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔ یہ وہ موقع تھا جبکہ ہر دشمن قابو میں آچکا تھا۔ آپ ﷺ نے سوائے چار افراد کے کسی کے قتل کا حکم نہیں دیا، صاف اعلان کر دیا کہ الیوم یوم المرحمۃ، آج رحمت، محبت، امن و عافیت کا دن ہے۔[48] رحمت للعالمین ﷺ نے فتح مکہ کے اس موقع پر جو مفاہمتی طرز عمل اختیار کیا، اس کی تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔

خلاصہ کلام

اس وقت عدم مفاہمت، بغض و عناد کسی خاص معاشرے تک محدود نہیں ہے بلکہ مسلم و غیر مسلم دونوں میں ہی مفاہمتی عمل، برداشت اور رواداری ختم ہوتی نظر آرہی ہے۔ اس موقع پر بہت ضروری ہے کہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں مفاہمت ایسے خطوط پر استوار کی جائے جو نہ صرف پائیدار ہوں بلکہ نسل انسانی کی بقا اور ترقی کا ضامن ہوں۔ آج ہم بحیثیت مجموعی جن مذہبی، ملکی، سیاسی و لسانی تعصبات میں گرفتار ہیں ان کا ممکنہ حل اسلام کی تعلیمات میں پوشیدہ ہے۔ قرآن پاک کے احکامات اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے ہمیں مکمل رہنمائی ملتی ہے۔ قرآن

پاک میں اللہ تعالیٰ نے انتہائی واضح الفاظ میں صلح وصفائی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر ایک فریق صلح پر آمادہ ہو تو تم بھی اس سے صلح کر لو اور اس سے نہ گھبراؤ کہ وہ مکر سے نقصان پہنچادے گا بلکہ اللہ پر توکل کرو۔[49] یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی ایسے معاملات میں بھی مفاہمت کی، جن پر عمل کرنا بظاہر بہت کٹھن تھا۔ جیسا کہ حدیبیہ کے مقام پر ہوا۔ دراصل اسلام جس کے معنی ہی امن کے لیے دنیا میں امن کا داعی ہے اور امن کی فضا چاہتا ہے۔ اسی لیے پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمیشہ مفاہمت ومصالحت ہی کو ترجیح دی۔

حوالہ جات:

---

[1] اردو لغت (تاریخی اصول پر)، ج۱۸، اردو لغت بورڈ کراچی، ۲۰۰۲ء

[2] سورۃ فصلت آیت ۳۴

[3] سورۃ شوریٰ آیت ۴۳

[4] النووی، محی الدین ابی زکریا، "ریاض الصالحین"، مترجم عابد الرحمان، سعید اینڈ سنز کراچی، ج۱، ص۳۹۷

[5] سورۃ المدثر آیت ۲

[6] طبری، محمد بن جریر، "تاریخ طبری"، ج۱، ص۹۹

[7] ابن ہشام، "سیرت النبی ﷺ"، ج۱، ص۳۱۷

[8] ایضاً، ج۲، ص۶۰

[9] ایضاً، ج۲، ص۱۴

[10] علوی، ڈاکٹر خالد، "انسان کامل"، الفیصل اردو بازار لاہور، طبع دوم، ۱۹۹۷ء

[11] صباح الدین، عبد الرحمان، "اسلام میں مذہبی رواداری"، معارف دار المصنفین اعظم گڑھ انڈیا، ۱۹۸۷ء، ص۳۲

[12] -ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، "سنن ابن ماجہ"، مصطفی البابی الحلبی مصر، کتاب الجنائز

[13] ماہنامہ نقوش رسول نمبر، محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو لاہور جنوری ۱۹۸۳ء، ج۳، ص۵۱۹

[14] ایضاً، ج۳، ص۵۲۲

[15] سورۃ التوبۃ آیت ۱۰۷

[16] سورۃ التوبۃ آیت ۸۱

[17] ایضاً

[18] افضل حق، چوہدری، "محبوب خدا"، مکتبہ القریش اردو بازار لاہور، ۱۹۷۷ء، ص۱۱۶

[19] حمید اللہ، "محمد رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی"، ص ۳۳۱

[20] ایضاً، ص ۳۳۲۔۳۳۳

[21] ایضاً، ص ۳۳۴۔۳۳۵

[22] سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷

[23] سورۃ الاحزاب آیت ۴۶،۴۵

[24] سورۃ النحل آیت ۹۰

[25] سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۶

[26] سورۃ الکہف آیت ۲۹

[27] ایم سیڈولٹ، "خلاصہ تاریخ ادب"، مترجم عبد الغفار، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۶ء، ص ۳۴

[28] محمد کرم شاہ پیر، "ضیاء النبی ﷺ"، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، ۱۴۱۸ھ، ج ۵، ص ۳۰۳

[29] الصالحی، محمد یوسف، "سبیل الھدی والرشاد"، مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۷۲ء، ج ۷، ص ۳۲

[30] سورۃ الحجر آیت ۹۴

[31] نجیب آبادی، اکبر شاہ خان، "تاریخ اسلام" دار الاشاعت کراچی، ۲۰۰۳ء، ج ۱، ص ۸۴

[32] سورۃ الحجرات آیت ۱۰

[33] نجیب آبادی، اکبر شاہ خان، "تاریخ اسلام" ص ۹۹

[34] ایضاً، ص ۱۰۰

[35] ایضاً، ص ۹۵

[36] ایضاً، ص ۹۶

[37] ایضاً، ص ۱۸۱

[38] جعفری، رئیس احمد، "اسلام اور مذہبی رواداری"، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، ۱۹۵۷ء، ج ۲، ص ۵۰۔۴۹

[39] دار العلوم، شمارہ:9-8، جلد:106، محرم الحرام-صفر المظفر1444ھ مطابق اگست-ستمبر2022ء(صلح حدیبیہ، بیعت رضوان اور مقام سیّدنا عثمانؓ، مولانا ابو بکر حنفی شیخوپوری)

[40] ۴۸:۱۸ سورۃ الفتح آیت ۴۸

[41] - نجیب آبادی، اکبر شاہ خان، "تاریخ اسلام" ص ۱۶۴۔۱۶۳

[42] رحیق المختوم

[43] باشمیل، محمد احمد، "صلح حدیبیہ"، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۳۷

[44] قمر الدین سھتو، "النبی الامین والقرآن المبین، افادات: مولانا عبید اللہ سندھی"، ص ۱۴۲

[45] سورۃ الفتح آیت ۱

46 نجیب آبادی، اکبر شاہ خان، "تاریخ اسلام" ص ۱۸۱

47 ایضاً

48 ابن ہشام، "سیرت النبی ﷺ"، ج ۲، ص ۴۱۲

49 سورۃ الانفال آیت ۶۱